جہاں تک علوم عصریہ کا تعلق ہے اس میں بھی معتدل اور متوازن راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے یہ صحیح ہے کہ ہمارے مدارس میں ان پر زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا۔ نہ ہی طلبہ یہ دوہرا بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ نہ ہمارے غریب مدارس ہی ان کی تعلیم کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تاریخ، جغرافیہ اور معلومات عامہ وغیرہ سے تھوڑی بہت واقفیت ضروری ہے۔ بعض اوقات تو ہمارے علماء ان علوم سے کورے ہونے کی وجہ سے مذاق بن جاتے ہیں اور ان کو پڑھے لکھے لوگوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ تاریخ اسلام کو تو علوم جدیدہ میں شمار کرنا ہی غلط ہے۔ آخر جس علم کو مسلمانوں نے قصہ وخرافات سے ممتاز کر کے بارہ سو سال پہلے مستقل علم کا درجہ دیا۔ اس کے اصول وضع کئے اور اسے علمی و عقلی بنیادوں پر مدوّن کیا۔ اُسے علوم جدیدہ میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ اور اس سے بے بہرہ رہ کر کیا کوئی اہل علم کی صف میں شمار ہو سکتا ہے؟ اپنے اکابر کے شاندار کارناموں سے ناواقف رہ کر کوئی قوم ترقی کی منزلیں طے نہیں کر سکتی۔ پھر سیرۃ نبویہ اور خلفائے راشدین سے واقف ہوئے بغیر تو اسلام کی عملی تصویر ہی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔

شاید کم لوگوں کو معلوم ہو (خصوصاً پاکستان میں) کہ غالباً ۱۳۹۰ھ سے دارالعلوم دیوبند میں علوم جدیدہ کا اضافہ کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ اب سال پنجم و ششم میں (مختصر المعانی وجلالین کے ساتھ) تاریخ اسلام مکمل، تاریخ ہند (از عہد سلطان محمود غزنوی تا ۱۹۴۷ء) جغرافیہ عالم، جغرافیہ جزیرۃ العرب وبلاد اسلامیہ، جنرل سائنس، فلاسفہ جدید کے نظریات، حفظان صحت، دستور ہند) بحیثیت مضامین داخل نصاب تعلیم ہیں۔ اور ان کی مختصر اور سہل کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں۔ انگریزی بھی اختیاری طور پر داخل نصاب کی گئی تھی اور اس کے لئے ایک ڈگری کالج کے ریٹائرڈ پرنسپل صاحب کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ مگر یہ تجربہ مفید اور کامیاب ثابت نہ ہوا۔

۳۔ صرف ونحو کی کتابوں کی تبدیلی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا عبدالقیوم صاحب فرماتے ہیں:-

نحو میر اور اس کی جاندار مختصر مگر پرشکوہ عبارت، میزان الصرف، صرف میر، علم الصیغہ، مراح الارواح اور فصول اکبری اور اس کی خاصیات اور دوسری خصوصیات سے طلبہ کے اندر جو ملکہ علمی رسوخ اور پختگی حاصل ہوتی ہے، کیا مولانا مشتاق احمد کے اردو رسائل علم النحو اور علم الصرف سے یہ کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔

یہ صحیح ہے مگر مولانا مشتاق احمد کے رسائل کے علاوہ اور بھی کتنی اچھی کتابیں ہندوستان اور مصر میں تیار ہو چکی ہیں۔ ان میں سلجھے انداز میں قواعد عربی کو سمجھانے اور ان کے عملی اجراء پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً حافظ عبدالرحمن امرتسری کی کتابیں کتاب الصرف وکتاب النحو وغیرہ اچھی کتابیں ہیں۔ ان میں کافیہ اور پنج گنج تک

کے مسائل اچھی ترتیب اور سلجھے ہوئے انداز میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ پھر یہ کتابیں اردو زبان میں ہیں اس لئے طلبہ پر دوسرا بوجھ نہیں پڑتا۔ ابتدائی تعلیم کی مادری زبان میں ضرورت و اہمیت ماہرین تعلیم کے نزدیک مسلم ہے

خاکسار نے بھی اب سے چالیس سال پہلے "کلام عربی" کے نام سے صرف و نحو عربی کے اہم مسائل پر دو حصوں میں ایک کتاب لکھی تھی۔ جو ابتدائی صرف و نحو کی تعلیم کے لئے مدارس میں پسند کی گئی۔ ان پر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا تھا۔

" ماشاء اللہ کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ ترتیب بہت سہل الحصول ہے۔ جو لوگ عربی زبان کی دشواری کا عذر کرکے ادھر متوجہ نہیں ہوتے تھے ان کے لئے آپ نے کوئی عذر کا موقعہ نہیں چھوڑا"

دیگر اکابر ملت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی وغیرہ نے بھی بلند پایہ الفاظ میں تحسین فرماکر ذرہ نوازی فرمائی تھی اور حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے تو النظام العربی فی التقریظ علی الکلام العربی کے عنوان سے ایک رسالہ ہی اس کی تعریف و تعارف میں ارقام فرمادیا تھا۔

عربی زبان میں مصر کی جدید مطبوعات النحو الواضح از علی الجارم و مصطفےٰ امین کے چھ حصے بھی بہت مفید اور سلجھے ہوئے انداز میں لکھے گئے ہیں۔ ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ قواعد عربی کا عملی اجرا بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا ہے اور عربی زبان کے قواعد اس طرح پڑھائے جاتے ہیں جس طرح ایک زندہ زبان کے پڑھائے جانے چاہئیں۔

۴۔ موجودہ نصاب درس نظامی کے ناقدین کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں سب سے زیادہ زور منطق و فلسفہ پر دیا گیا ہے جس کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رائے ہے :-

" اکثر آں مسائل لاطائل است و بے حاصل "

ان علوم کی تقریباً بیس کتابیں (صغریٰ سے قاضی مبارک تک) داخل درس تھیں۔ حالانکہ تفسیر کی صرف دو کتابیں (جلالین اور بیضاوی) اور بیضاوی بھی صرف سورہ بقرہ۔

مولانا عبدالقیوم صاحب کا ارشاد ہے کہ :-

" وفاق کے مجوزہ نصاب میں قطبی تک منطق نظر آتی ہے۔ کیا اسے پڑھ لینے کے بعد واقعۃً بھی طالب علم منطق کے مصطلحات سے آشنا ہو جاتا ہے "

وفاق کا مجوزہ نصاب تو سامنے نہیں۔ البتہ درس نظامی میں قطبی تک منطق کی چھ کتابیں داخل درس ہیں۔ اگر کسی فن کی چھ کتابیں پڑھ لینے کے بعد بھی، طالب علم اس فن کی مصطلحات سے واقف نہ ہو سکے تو اسے اس طالب علم کی دماغی صلاحیت کا قصور ہی کہا جائے گا۔

حضرت مولانا صاحب کو غالباً علم ہی نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ نصاب میں منطق کی لازمی کتابوں

میں قطبی کے بعد صرف دو کتابیں سلّم العلوم اور ملا حسن ہی داخل درس ہیں اور یہاں اُسے اس فن کی ضروری واقفیت کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔ البتہ فضیلت کے بعد تکمیل معقولات کے درجہ میں، منطق و فلسفہ کی کتابیں۔ حمد اللہ قاضی مبارک، صدرا اور شمس بازغہ داخل ہیں مگر یہ درجہ عملاً معطل ہو کر رہ گیا ہے۔

منطق کے حامیوں کو یہ حقیقت ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ ہمارے اکابر کبھی اس کی بھرمار کے حق میں نہ رہے۔ مولانا عاشق الٰہی "تذکرۃ الرشید" میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

" اسی طرح منطق و فلسفہ کے ساتھ آپ کا تنفر عداوت کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "میرا جو مرید اور شاگرد فلسفہ کا شغل رکھے گا وہ میرا مرید اور شاگرد نہیں"
آپ فرمایا کرتے تھے کہ" اس منطق و فلسفہ سے تو انگریزی بہتر کہ اس سے دنیا کے نفع کی امید تو ہے"

۵۔ ادب کی کتابوں کے سلسلہ میں بھی افراط و تفریط سے بچ کر ایک معتدل اور متوسط طریق کار اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا کی یہ رائے صحیح ہے کہ" اگر نفحۃ الیمن، مقامات، متنبی اور حماسہ وغیرہ کتابوں کی تحقیق و تدقیق سے پڑھا جائے تو اس کے پڑھنے والے عربی ادب سے محروم نہیں رہ سکتے" بے شک قرآن و حدیث کے معانی و مفاہیم سے واقف ہونے کے لئے عربی قدیم میں مہارت ضروری ہے۔ جو زمانہ نزول قرآن میں رائج تھی۔ جدید عربی پر قدرت اس کے لئے بالکل ضروری نہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جدید عربی کے اسالیب بیان اور اس کی تعبیرات قدیم عربی سے اس قدر مختلف ہیں کہ ان سے شغف اور ممارست کے بعد قرآن و حدیث کی زبان سے بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ البتہ عالم عرب سے ربط و تعلق پیدا کرنے کے لئے جدید زبان کی ضرورت ناقابل انکار ہے۔ اس لئے دونوں کو اپنی اپنی جگہ سیکھنا ضروری ہے۔ لیکن ہمارے قدیم مدارس کا چونکہ مقصد اساسی تعلیم کتاب و سنت ہے اس لئے اولیت بہر حال قدیم کو حاصل رہے گی۔

تبدیلی نصاب کے علم بردار، ادب کی کتابوں میں" مقامات حریری" پر بہت اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کی اپنی کچھ خصوصیات بھی ہیں۔ اس کے داخل نصاب کرنے کا ایک خاص مقصد لغات عرب پر عبور رہے میرے ایک استاذ (جو عربی کے اچھے ادیب تھے) حضرت مولانا اختر شاہ امروہی" فرمایا کرتے تھے کہ مقامات میں "صراح " (لغت عربی کی متداول کتاب) کے تمام لغات آ گئے ہیں۔ اس کو یاد کرنے کے بعد طالب علم عربی ادب کے پورے ذخیرہ پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں اسے حفظ کرایا جاتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کا درس مقامات بہت مشہور تھا۔ وہ ایک ایک لفظ کو پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ اس طرح حل کرتے تھے کہ اختلاف ابواب اور تغیر صلات سے معانی میں

جو فرق پیدا ہوتا ہے وہ اچھی طرح طلبہ کے ذہن نشین ہو جائے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ ہمارے قدیم نصاب میں نظم کا حصہ زیادہ ہے۔ کسی زبان کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے لئے ادب منثور سے زیادہ مدد ملتی ہے۔ ادب منظوم سے نہیں۔

میری رائے میں عالم اسلامی کے نامور ادیب و عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدت مکارمہم کی کتاب مختارات ادب عربی کی ایک اچھی کتاب ہے اس کا اضافہ ضروری ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں بھی یہ کتاب عرصہ تک داخل نصاب رہ چکی ہے۔ میری رائے میں اسے پھر داخل ہونا چاہئے۔ اس میں عہد قدیم سے زمانہ حاضر تک کے ادباء و بلغاء کے طرز تحریر کے عمدہ نمونے تاریخی ترتیب سے جمع کر دئے گئے ہیں۔

جدید عربی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آج کل اسفار کی سہولتوں اور معاشی و سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے بلاد عربیہ سے تعلقات وسیع تر ہو گئے ہیں اس لئے جدید عربی کے بولنے اور لکھنے پر قدرت بھی اہم ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں بھی عربی جدید کا مستقل شعبہ عرصہ سے قائم ہے۔ اس کے سربراہ مولانا وحید الزماں کیرانوی نے (جو ایک شامی عالم، عبداللہ المامون کے شاگرد رشید ہیں) چند ہی سال میں دارالعلوم کے اس خلا کو پر کر دیا ہے اور کئی سو ایسے شاگرد پیدا کرتے ہیں جو بلا تکلف عربی تحریر و تقریر پر قادر ہیں ان میں سے کئی جرائد و مجلات کے ادارتی فرائض انجام دیکر دیار عرب سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ آخر میں ایک بات ادب سے اور عرض کر دوں۔ قدیم نصاب کے غالی حامی اکثر فرمایا کرتے ہیں اور ہمارے مولانا عبدالقیوم نے بھی لکھا ہے کہ ہمارے اکابر حضرت علامہ کشمیری، حضرت مولانا مدنی، حضرت مولانا عثمانی وغیرہم نے یہی درس نظامی پڑھ کر علمی کمال اور شہرت و عزت کا مقام حاصل کیا بلکہ صاحب نزہتہ النظر نے بھی عربی ادب کا ذوق اسی درس نظامی سے حاصل کیا ہے" اور اس سے اس امر پر استدلال کرتے ہیں کہ موجودہ نصاب میں تغیر و اصلاح کی ضرورت نہیں مگر یہ ایک مغالطہ ہے۔ ترمیم نصاب کے حامی اس کا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ درس نظامی ترتیب سے پہلے جو لاکھوں اجلہ علم اور اساتذہ فنون گذرے، جن میں درس نظامی کے مرتب بھی شامل ہیں کیا انہوں نے یہ کمالات حاصل کئے اس میں تغیر و تبدیلی کی ضرورت کیا پیش آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ دماغی و ذہنی صلاحیتوں کے حاملین کے لئے کسی خاص نصاب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک قوی و تندرست جوان، معمولی غذا سے بھی پوری طاقت حاصل کر لیتا ہے مگر ایک کمزور اور لاغر آدمی کے لئے ہلکی زود ہضم اور مقوی غذا کی ضرورت ہوتی ہے مسئلہ اوسط درجہ کے ذہن و دماغ کے لوگوں کا ہے۔ ان کے لئے ضرورت ہے کہ بہتر سے بہتر اور سہل سے سہل نصاب تعلیم تیار کیا جائے۔ اور طریق تعلیم میں بھی سابقہ تجربوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ مؤثر ہو۔ یہ خیالات پراگندہ جو حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی کا مضمون پڑھ کر فوراً دماغ میں آئے بے تکلف اور برجستہ قلم بند کر دئے گئے ہیں۔ اپنی ہیچمدانی کا اعتراف کرتے ہوئے اہل علم سے درخواست ہے کہ لغزشوں سے درگذر فرمایا جائے۔ وما علینا الا البلاغ